ائمہ مساجد

اور

اُمت کا مستقبل

خرم مرادؒ

ترتیب
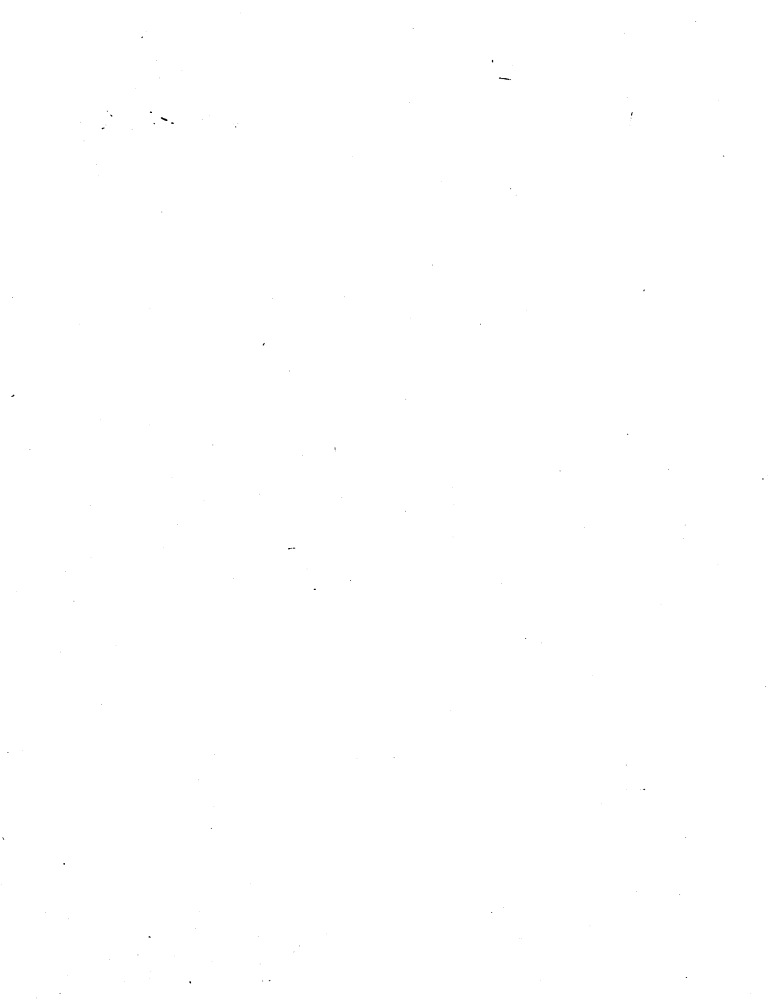
بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

امامِ مسجد

مسلم معاشرے میں امام مسجد کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ عام آدمی کی نظر میں اس کی حیثیت ایک عالمِ دین کی ہوتی ہے۔ یہ ایک بہت بلند مقام ہے۔ حدیثِ رسولؐ کے مطابق علما درحقیقت انبیا کے وارث ہیں۔ لہٰذا امامت کا فریضہ اپنے مرتبہ و مقام کے لحاظ سے خدا کی کسی بڑی نعمت سے کم نہیں اور جسے وہ اپنی مشیت سے اس منصب کے لیے منتخب کر لے فی الواقع اسے ایک بڑی نعمت حاصل ہو گئی۔ اس پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اس لیے کہ

اس کے پاس وہ علم ہے، جو انبیاے کرام لے کر آئے۔ وہ انبیا کا وارث ہے اور اسے لوگوں کی امامت و رہنمائی اور تزکیہ و تربیت کا موقع حاصل ہوتا ہے۔

یہ محض ہماری کم نصیبی ہے کہ موجودہ عہد میں مسجد کی امامت ہمارے معاشرے میں ایک رسم بن کر رہ گئی ہے۔ گویا یہ صرف دو رکعت کی امامت ہے۔ جب کہ حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔ عملاً ایک امام اس مصلّے پر کھڑا ہوتا ہے، جس پر سید الانبیاء ﷺ کھڑے ہوتے تھے۔ یوں تمام ائمہ آپؐ کے وارث اور نائب ہیں۔ اس لیے ائمہ کو آج پھر وہی فرائض انجام دینے ہیں، جو آپؐ نے انجام دیے۔

یہ بھی ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمارے معاشرے میں مسجد کو وہ مقام حاصل نہیں رہا، جو مسجد نبویؐ کو حاصل تھا۔ نہ ائمہ ہی کو وہ مقام حاصل ہے، جو انھیں حاصل ہونا چاہیے۔ آج مسجد محض ایک

عبادت گاہ بن کر رہ گئی ہے۔ جہاں نمازی حضرات رسماً عبادت کے لیے آتے ہیں۔ اب اس بات کا شعور نہیں رہا کہ مسجد صرف ایک عبادت گاہ نہیں ہے، بلکہ اسلامی بستی کے مرکز کی حیثیت رکھتی ہے اور امام محض امام مسجد نہیں ہے بلکہ فی الواقع وہ اس بستی کا قائد اور فکری رہنما ہے۔ مسجد تو اُمت کی زندگی کا مرکز ہے۔ اذان و نماز کے ذریعے ایک مسلمان کے ایمان و عہدِ بندگی کو تازہ کرنے اور اطاعت کی مشق دن میں پانچ مرتبہ کروائی جاتی ہے۔ اخوت، مساوات اور ہم دردی و غم خواری کا سبق سکھایا جاتا ہے۔ وہ اپنے بھائیوں سے بے تعلق نہیں رہ سکتا کہ ان کے دکھ درد میں شریک نہ ہو اور ان کے دکھ نہ بانٹے۔

مسجد مرکز دعوت و ارشاد ہے۔ اس لیے کہ یہاں احکامِ الٰہی سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ مسجد تعلیم و تربیت کا مرکز ہے، مدرسہ اور اسکول ہے اور لائبریری یا مطالعہ گاہ ہے، سیاسی مرکز ہے، جہاں

قائدین وعوام اپنے مسائل باہم مشاورت سے حل کرتے ہیں، بیت المال ہے کہ زکوٰۃ وغیرہ جمع اور تقسیم کی جاتی ہےاور حاجت مندوں کی کفالت کی جاتی ہے۔ مسجد عدالت ہے کہ جھگڑے نپٹائے جاتے ہیں اور فیصلے کیے جاتے ہیں۔ یہ مرکز ثقافت (Community Centre) ہے جہاں شادی بیاہ اور مختلف مواقع پر تقریبات کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ افسوس کہ آج نہ ہم مسجد یا امام کے مقام سے صحیح طرح آگاہ ہیں اور نہ امامِ مسجد ہی اپنے منصب و مقام اور تقاضوں کو جانتا ہے۔ ع

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی

تاریخ انسانی میں تین واقعات ایسے ہیں، جنھوں نے اُمت مسلمہ کی تعمیر وتشکیل میں اہم کردار ادا کیا ہے:

۱۔ غارِ حرا میں نزولِ وحی کا آغاز ہوا۔ انسانیت کو قرآن دیا گیا، جس پر اُمت کی پوری زندگی کی بنیاد ہے۔ قرآن وہ

سرچشمۂ حیات ہے، جس نے انسان کے لیے خدائی ہدایت کی تکمیل کی اور انسانیت کے لیے دین کو ایک مکمل اور جامع نظامِ حیات کے طور پر پیش کیا۔ نبی کریمؐ نے ایک جاں گسل جدوجہد کے بعد قرآنی نظام کو دنیا میں نافذ کر کے ایک جیتی جاگتی اسلامی ریاست کا نمونہ پیش کر کے دکھا دیا کہ انسانیت کو درپیش مسائل کے حل کے لیے اب دنیا میں قرآنی نظام کے علاوہ کسی اور نظام اور اِزم کی کوئی گنجایش نہیں۔

٢- ١٣ سال بعد مکے سے مدینہ کی طرف ہجرت کا واقعہ پیش آیا۔ یہ اتنا اہم واقعہ ہے کہ ہم اپنی تاریخ کے کیلنڈر کی بنیاد اس پر رکھتے ہیں۔ مکے سے مدینہ کی طرف ہجرت، اسلام کی تاریخ میں ایک فیصلہ کن سفر تھا۔ اس سے ایک اسلامی ریاست کی بنیاد فراہم ہوئی۔ معرکۂ حق و باطل کا

یہ وہ تاریخ ساز لمحہ ہے، جس نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ حق حق ہے اور اسے بالآخر غالب آنا ہے اور باطل باطل ہے، اسے ایک روز لازماً مٹ جانا ہے خواہ وہ کتنی ہی طاقت، کروفر اور جاہ و حشم کا مالک ہو۔ اس کا مقصد بہرحال ذلت، شکست اور مٹ جانا ہی ہے۔

۳۔ ۸ ہجری میں فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا اور دنیا کو یہ پیغام ملا کہ مستقبل اسلام کا ہے۔ فتح مکہ نے عملاً یہ ثابت کر دیا کہ انسانیت کو اگر امن، انصاف اور مسائل زندگی کے حل کے لیے کوئی متوازن، معتدل اور پائیدار نظامِ حیات چاہیے تو وہ اسلام ہی ہے، اور اگر کسی قابلِ تقلید اور بہترین اسوے کی کسی کو تلاش ہے تو وہ نبی اکرمؐ کی ذات میں ہے۔ ایک فرد کی زندگی سے لے کر ایک ریاست کی تشکیل تک!

تعمیرِ معاشرہ میں مسجد کا کردار

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ مسجد کی تعمیر کی۔ اس بات سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام میں مسجد کا کیا مقام اور کتنی اہمیت ہے۔ اس مسجد کی تعمیر میں آپؐ خود شریک ہوئے اور اپنے ہاتھوں سے پتھر اٹھائے۔ اگرچہ مسجد نبویؐ اپنی عمارت اور زیبائش کے لحاظ سے ایک عام سی مسجد تھی لیکن یہ مسجد دراصل ان تمام عالی شان مساجد کے قیام کی بنیاد بنی، جو بعد میں دہلی، قرطبہ، اصفہان، تاشقند اور لاہور میں نظر آتی ہیں۔ مسجد کا تعلق اُمت کی زندگی سے اسی وقت قائم ہو گیا تھا۔ مسجد دعوت، عدالت اور سیاست کا مرکز بن چکی تھی۔ مقدمات کا فیصلہ یہاں کیا جاتا تھا، جہاد کے لیے پکار کر لوگوں کو جمع یہاں کیا جاتا تھا اور لشکر کی روانگی بھی یہیں سے ہوا کرتی تھی۔ مجلس شوریٰ کا اجلاس بھی یہیں

ہوا کرتا تھا۔ پنج وقتہ نماز مسجد میں ہوتی تھی حتی کہ منافق بھی مسجد میں حاضر ہوتے تھے۔ یہ تصور نہیں تھا کہ کوئی فرد جس کا تعلق اُمت مسلمہ سے ہو اور وہ مسجد میں حاضر نہ ہو۔ فجر کی نماز کی خصوصیت سے اہمیت تھی۔ خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ جب نماز فجر کے لیے مسجد جایا کرتے تھے تو لوگوں کو نماز کے لیے جگایا کرتے تھے۔ صفیں درست اور سیدھی رکھنے کا مکمل اہتمام کرتے تھے۔ گویا مسلمان معاشرے میں مسجد، اُمت کی پوری زندگی کا مرکز تھی۔ سیاست، عدالت اور اجتماعی زندگی کا مرکز بھی مسجد تھی اور تعلیم و تربیت کا مرکز بھی۔ اسلام کی تاریخ میں مساجد سے بڑے بڑے مدارس ملحق رہے۔ وہ مدارس ہماری بڑی جامعات تھیں، ملت مسلمہ کی کیمبرج اور آکسفورڈ تھیں۔ ان مساجد سے متصل طلبا کے قیام کے لیے حجرے تعمیر کیے گئے تھے اور نظام تعلیم مساجد کے گرد قائم تھا۔

یہ ہمارا عروج کا دور تھا۔ لیکن بعد میں جیسے جیسے اُمت کا

زوال زور پکڑتا گیا، اس کے ہاتھ سے دنیا کی قیادت و رہ نمائی کا منصب بھی نکلتا گیا اور ساتھ ہی مسجد کے ہاتھ سے بھی اُمت کی قیادت و رہ نمائی چلی گئی۔

ضروری ہے کہ مسجد کے ائمہ کو وہی مقام حاصل ہو جو ان کا حق ہے۔ لیکن اس کے لیے ناگزیر ہے کہ مسجد کے ائمہ اپنے آپ کو اس منصب اور مقام کو سنبھالنے کا اہل بنائیں۔ اس کے بغیر اُمت کی اجتماعی زندگی کا احیا اور اس کو درپیش چیلنج کا مقابلہ ممکن نہیں ہے۔

اس وقت امت کے اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود ذلت و مسکنت ہمارا مقدر ہے۔ ہم پر غیر اقوام کا غلبہ ہے۔ دنیا کی قومیں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی ہیں۔ اس وقت مسلمان اپنی زندگی کے ایک انتہائی خطرناک دور سے گزر رہے ہیں۔ لیکن جہاں خطرات ہیں وہیں امکانات بھی موجود ہیں۔ آج اُمت کو اتنا بڑا خطرہ درپیش ہے کہ تاریخ میں کبھی اس کی مثال نہیں ملتی۔ غالب

تہذیب نے جس طرح مسلمانوں کو اپنا حریف اور نشانہ بنا لیا ہے، اس کے لیے بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ صرف تقاریر، قراردادوں اور ان کی سازشوں کو بے نقاب کرنے سے بات نہیں بنے گی۔ ان خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے ائمہ کرام کو اپنا حقیقی کردار ادا کرنا ہوگا۔ اپنا مقام و منصب پہچاننا ہوگا۔ یہ ناگزیر ہے کہ مسجد کے ائمہ اس بات کے اہل ہوں کہ وہ وہی مقام سنبھال سکیں، اُمت کی رہنمائی کر سکیں اور مسجد کا اُمت کی زندگی میں وہی مقام ہو، جو نبی اکرم ﷺ نے اُس کو مدینہ کی اجتماعی زندگی میں دیا تھا۔

آج اُمت تاریخ کے انتہائی نازک موڑ پر کھڑی ہے اور اسے سنگین نوعیت کے خطرات لاحق ہیں۔ لیکن انھی خطرات میں روشن مستقبل پوشیدہ ہے۔ ہمارے لیے دنیا کی قیادت کے کھلے امکانات موجود ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ دشمن ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ دنیا کی ابلیسی تہذیب کے مستقبل کو اصل خطرہ

مسلمانوں سے ہے۔ اس حقیقت کی نشان دہی علامہ اقبال نے ابلیس کی زبان سے کی تھی۔ مغرب کو نہ اشتراکیت سے خطرہ ہے نہ مزدکیت سے، اُسے اصل خطرہ اسلام سے ہے۔ اسلام ہی میں یہ قوت وصلاحیت پائی جاتی ہے کہ وہ اس کے مقابلے میں اٹھ کھڑا ہو اور اس کو چیلنج کرے۔

اُمت کی ہیئت ترکیبی کے اندر یہ خاصیت پوشیدہ ہے۔ رب العالمین کی طرف سے اعلان کیا گیا ہے: أُخرِجَتْ لِلنَّاسِ ''یہ تمام انسانوں کے لیے برپا کی گئی ہے۔'' نبی اکرمؐ تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اور اُمت کو قیامت تک یہی مشن سونپا گیا:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ط (البقرۃ:۱۴۳)

''ہم نے تم مسلمانوں کو ایک 'امت وسط' بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو۔''

امت کا شعار یہ بتایا گیا:

جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (الحج:۷۸)

"اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔"

قرآن نے رہ نمائی کردی ہے کہ یہ اُمت کس لیے وجود میں آئی ہے۔ یہ اُمت معاشی مفادات کے لیے، سیاست گری کے لیے یا دنیا میں محض ناموری کے لیے نہیں بلکہ تمام انسانیت کو اللہ کی بندگی میں داخل کرنے کے لیے برپا کی گئی ہے۔ اس اُمت نے جب اپنے منصب کو پہچانا تو صرف ۳۰ سال کے اندر دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کر کے رکھ دیا۔ اُس وقت مسلمان بے سروسامان تھے لیکن ان کے پاس ایمان تھا، یقین تھا، وحدت تھی۔ صرف ۳۰ سال کے اندر، ایران وروم اور صرف ۱۰۰ سال کے اندر اندر وہ اسپین کے غاروں اور چین کے ساحل تک پہنچ گئے۔ دنیا وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی عملی صورت اپنی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

لیکن یہ سب کچھ خود بہ خود نہیں ہو گیا۔ اس کے کچھ تقاضے تھے جو پورے کیے گئے۔ آج درپیش چیلنجوں سے نمٹنے اور امکانات سے فائدہ اٹھانے کی بھی یہی صورت ہے کہ اُمت اپنے فرائض کو کما حقہ انجام دے اور اس کے لیے کمر کس لے۔

ائمہ کی ذمّے داریاں

اس کام میں مرکزی اہمیت ائمہ کرام کو حاصل ہے۔ امام کو صرف نماز کا امام نہیں، بلکہ معاشرے کا امام اور لیڈر بننا ہے اور معاشرے کو محمد عربی ﷺ کے راستے پر چلانا ہے۔ بہ قول اقبال:

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

اس کام کے لیے ہر امام کو، اپنے آپ کو تیار کرنا ہے۔ مسجد کو اُمت کی اجتماعی زندگی کی تعلیم گاہ بنانا ہے اور اپنے اندر یہ اہلیت پیدا کرنا

ہے تا کہ اس مقام پر بیٹھ کر اُمت کی رہ نمائی کا فریضہ انجام دیا جا سکے۔
معاشرے میں اس وقت مسجد کے حقیقی مقام اور مرتبے کی حیثیت بہت کم زور ہے۔ امام عملاً اس قدر بے بس ہے کہ اسے (متولی کی اجازت کے بغیر) نماز کا وقت متعین کرنے کا بھی اختیار نہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ائمہ کے اندر بے پناہ قوت ہے۔ اگر ان کے پاس اہلیت اور صلاحیت ہو تو معاشرے میں انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ مگر ہم ان صلاحیتوں اور امکانات سے آگاہ نہیں ہیں۔ عرب کے ریگستان میں پلنے والے لوگوں کے اندر یقین اور ایمان کی کیفیت پیدا ہوئی تو نتیجہ یہ نکلا کہ بہترین جرنیل پیدا ہو گئے۔ ان کو تاریخ کے چیلنجوں کا ادراک تھا۔ ان سے نپٹنے کی صلاحیتوں کا شعور تھا۔ انھوں نے دنیا میں عظیم فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا، ایک بڑی دنیا نے ان کے پیغام کو قبول کیا اور تاریخ کا دھارا موڑ کر رکھ دیا۔
ائمہ کو اس کا ادراک کرنا ہے کہ ان کا حقیقی مقام کیا ہے؟ منصب

کیا ہے؟ اگر مسجد کو مرکز بننا ہے اور ان کو اس مرکز میں دعوت وارشاد اور قیادت کا وہ کام انجام دینا ہے، تو ان کے سامنے ایک ہی روشنی کا مینارہ ہے اور وہ ہیں مسجد نبویؐ کے امام نبی اکرم ﷺ۔ آپؐ کا اخلاق، شہرت، کردار، اخلاص، دل سوزی ــــــ اس کے بغیر یہ عظیم کام انجام نہیں پا سکتا ہے۔

ائمہ اپنے لیے کوئی لائحہ عمل بنائیں تو اس کے بنیادی نکات یہ ہونے چاہییں:

1۔ سب سے پہلی اور اہم ترین بات یہ کہ امام کو صحیح چیزوں کا علم ہو جائے۔ اللہ کی وحدانیت اور رسولؐ کی شہادت ان کی زندگی کا جزو ہو جائے۔ اسلام کی پوری روح اور اس کی پوری عمارت توحید پر قائم ہے۔ مسجد میں آنے والوں میں اللہ کی محتاجی کی کیفیت پیدا کریں۔ زندگی کے ہر مسئلے میں ہم اللہ اور اس کے رسولؐ کے محتاج ہوں۔ شعوری

طور پر اس کی کوشش کرنی ہوگی اور اس کے لیے تدابیر اختیار کرنی ہوں گی۔ اللہ کی محتاجی کی نسبت پیدا کرنا، اللہ کے ساتھ لوگوں کا تعلق قائم کرنا، یہ ہم سب کی اوّلین ترجیح ہونی چاہیے۔

۲۔ ائمہ اپنے مقتدیوں میں نبی اکرمؐ سے محبت اور اطاعت کا جذبہ پیدا کریں اور ذاتِ مصطفویؐ سے عشق پیدا کریں۔ اس سے ملت کے جسد میں قوت پیدا ہوگی۔ نبی اکرمؐ کی ذات گرامی سے محبت، قوت کا وہ سرچشمہ ہے، جو صرف امت مسلمہ کے پاس ہے۔ کسی اور اُمت کے پاس نہیں۔ صنعتی ترقی اور کارخانوں کی قوت اصل قوت نہیں۔ ان سے وہ کام نہیں بنے گا جو ہمارے پیشِ نظر ہے۔

۳۔ اُمت کی زندگی میں دین و دنیا کی وحدت پیدا کرنا بھی ہمارا کام ہے۔

۴۔ علم صرف احکام اور مسائل کو جاننے کا نام نہیں، بلکہ احکام و مسائل کے ساتھ ساتھ حکمت اور مصلحت کو جاننے اور اُسے صحیح طور سے برتنے کا نام ہے۔ نبی اکرمؐ کتاب کے ساتھ ساتھ حکمت کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ حکمت وہ چیز ہے، جسے خیر کثیر کہا گیا ہے:

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ط (البقرۃ:۲٦۹)

''اور جس کو حکمت ملی، اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی۔''

حکمت دین اور تدریج

اگر آدمی حکمت سے آشنا نہ ہو تو دین پر چلنا، چلانا یا دین کو قوت بنانا ممکن نہیں۔ صرف احکام و مسائل کے بیان سے دین پر عمل

نہیں ہوتا۔ ایسا صرف اس وقت ہوتا ہے، جب لوگوں کو حکمت کے ساتھ دین کی راہ پر لایا جائے۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ وہ دین کی ذمّے داریوں کے متحمل ہوسکیں، ذمّے داریوں کا بوجھ اٹھا سکیں اور ان میں اطاعت کی استعداد پیدا ہو۔ اس حکمت کے بہت سارے پہلو ہیں:

ایک حکمت، احکام کے درمیان مدارج کا فہم ہے۔ سارے احکام ایک جیسے نہیں۔ عمل کرنے والوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ احکام کے اندر مدارج ہیں۔ ایک دفعہ مسجد نبویؐ میں لوگ نماز میں فرض ادا کرنے کے بعد اسی مقام پر کھڑے ہوکر جہاں فرض ادا کیے تھے، سنتیں ادا کرنے لگے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: پہلی امتیں اسی وجہ سے تباہ ہوئیں۔ جب فرائض، سنن، مستحبات کے درمیان فرق ختم ہوجائے تو امت زوال کے راستے پر آجاتی ہے۔ پھر سارا زور مستحبات اور سنن پر ہوجاتا ہے اور فرائض کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔

حکمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ قرآن کے اندر صرف سوَر کے گوشت اور شراب نوشی ہی کی ممانعت نہیں ہے بلکہ حسد اور غیبت کو بھی حرام کیا گیا ہے اور اللہ کی راہ میں جدوجہد اور جاں فشانی کو بھی بڑی نیکیوں میں شمار کیا ہے۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ (التوبة:۱۹)

’’کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی مجاوری کرنے کو اُس شخص کے کام کے برابر ٹھیرا لیا ہے، جو ایمان لایا اللہ پر اور روزِ آخر پر اور جس نے جاں فشانی کی اللہ کی راہ میں؟‘‘

اللہ کے رسولؐ نے ان احکام کو بھی اچھی طرح واضح فرمایا ہے اور عملی نمونہ پیش کیا ہے۔ گویا احکام کے ساتھ ساتھ اخلاقی تعلیمات اور راہِ خدا میں جدوجہد کو بھی اتنی ہی اہمیت حاصل ہے۔ لہٰذا ایمان

کے ساتھ ساتھ اخلاق اور کردار سازی اور دین کی سر بلندی کے لیے جدوجہد کی طرف بھی توجہ رہنی چاہیے۔ اس کے نتیجے میں ایک مسلمان کا وہ اخلاق اور کردار تعمیر ہو سکے گا، جو اصلاً مطلوب ہے اور غلبۂ دین کے لیے جدوجہد کے نتیجے میں ایک صحیح اسلامی معاشرت سامنے آسکے گی، جو اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ یوں معاشرہ اسلام کے مکمل نظامِ حیات کی حقیقی برکات سے مستفید ہو سکے گا۔

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ ہر کام تدریج کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ پورا دین لوگوں پر ایک ہی دفعہ میں نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ طبیعت اور نفس کی استعداد کے ساتھ ساتھ تدریج کے ساتھ لوگوں کو چلایا جائے۔ سب سے پہلے دل کے اندر ایمان پیدا کیا جائے۔ یہی سلف کا طریق کار تھا۔ وہ تدریج کا اہتمام کرتے تھے۔ دین کے سارے مطالبات ایک ساتھ ہی سامنے نہیں رکھ دیتے تھے۔

سیرت پاکؐ کا مطالعہ کیا جائے تو نبی اکرمؐ کی کامیابی کا راز یہ

معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ محبت، رحمت اور شفقت کے پیکرِ مجسم تھے۔ قرآن گواہ ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ (آل عمران:۱۵۹)

''(اے پیغمبرؐ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمھارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔''

نبی کریم ﷺ نرم دل تھے۔ تادیب وتعزیر میں نرمی کرتے تھے۔ ایک بدو مسجد نبویؐ کے صحن میں پیشاب کرنے لگا۔ صحابہؓ روکنے کے لیے اٹھے۔ آپؐ نے منع فرما دیا۔ بعد میں صحابہؓ سے فرمایا: اس کو دھو کر صاف کر دو۔ آپؐ کے اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شخص ہمیشہ کے لیے مطیع وفرماں بردار ہو گیا۔

سید قطبؒ سورۃ الاعلیٰ کی تفسیر میں واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، کچھ طلب کیا۔ آپؐ نے عطا کیا۔ اس نے بے اطمینانی ظاہر کی۔ آپؐ نے اس کو اور دیا۔ پھر وہ خوش ہو کر گیا۔

آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میری اور تمھاری مثال ایسی ہے جیسے ایک اونٹنی ہو جو بدک گئی ہو، اور تم ڈنڈے لے کر اس کے پیچھے پڑ جاؤ جس سے وہ اور زیادہ خوف زدہ ہو جائے اور بدک جائے۔ لیکن مالک محبت وشفقت سے اس کو قابو کر لیتا ہے۔

آج ہمیں بھی اس قوم کے اوپر سواری کرنے کے لیے، اس کی صحیح سمت میں رہ نمائی اور تربیت کے لیے اسی نرمی اور محبت و شفقت کی ضرورت ہے۔ مسجد کے منبر سے دین کی تعلیم اس انداز سے ہو تو نتیجہ خیز ہوگی۔

مسجد، بستی کا مرکز

مسجد کا معاشرے سے تعلق قائم کرنے اور قائم رکھنے میں بھی فیصلہ کن کردار امام کا ہی ہوگا۔ مسجد کو صاف رکھنا چاہیے۔ نظافت و طہارت کو دین میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کا اہتمام مسجد میں نظر آنا چاہیے۔ مسجد محلے کے لوگوں کا مرکز ہو، لوگ وہاں بیٹھیں اور اپنے مسائل پر بات کریں۔

مسجد تو وہ جگہ ہے جہاں ہم سجدہ کرتے ہیں، لیکن نبی اکرمؐ کے اپنے خصائص نبوت میں سے یہ ہے کہ پوری زمین کو آپؐ کے لیے سجدہ گاہ بنا دیا گیا۔ مسلمان کسی بھی جگہ خاک پر سر رکھ کر سجدہ کر سکتا ہے۔

اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ مسلمان جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ مسلمان کی ذمّے داری ہے کہ پوری دنیا اللہ کی بندگی میں آجائے۔ نبی اکرمؐ نے مسجد کی تعمیر کے بعد ساری

توجہ مسجد پر ہی نہیں دی۔ محض اس کی آرایش و زیبایش کو مرکز توجہ نہیں بنایا۔ آپ کی اصل توجہ اور سرگرمی دین کو غالب کرنے، دنیا کو دین پر چلانے پر رہی۔ آپ لوگوں کو انسانوں کی غلامی اور دنیا کی تنگیوں سے نکال کر، ایک اللہ کی بندگی کی وسعت و کشادگی میں لائے۔ ائمۂ مساجد کا اصل فریضہ یہی ہے اور اسے اولین ترجیح حاصل ہونی چاہیے۔

ائمہ کو چاہیے کہ وہ مساجد کو نور کا مینارہ بنائیں۔ امامت کی ذمے داری دے کر اللہ نے ان کو اعلیٰ مقام پر فائز کیا ہے۔ اللہ نے ان کو آزمایش میں ڈالا ہے۔ ان پر بڑی بھاری ذمّے داریاں عائد کی ہیں۔ انھیں اپنی وسعت اور استعداد کے مطابق کام انجام دینا چاہیے۔ اسوہ رسولؐ کی ہدایت، رہ نمائی اور روشنی میں اپنی صلاحیتوں کو کام میں لانا چاہیے۔ ائمہ اسوہ رسولؐ کا فہم حاصل کرنے کے لیے سیرت کا خوب مطالعہ کریں، خود بھی عمل کریں،

نمازیوں کو بھی آمادہ کریں۔ اس سے امت میں وہ طاقت اور قوت پیدا ہوگی کہ وہ دنیا کی قیادت کر سکے گی۔

خطبۂ جمعہ اسلام کے نظامِ تعلیم وتربیت میں مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز جمعہ کو فرض قرار دیا گیا ہے اور کوئی شخص جماعت سے الگ انفرادی طور پر نماز جمعہ ادا نہیں کر سکتا۔ بستی کا مرکز ہونے کی وجہ سے ہر شخص کا مسجد پہنچنا لازمی قرار دیا گیا ہے اور خطبۂ جمعہ کے ذریعے فکری رہ نمائی اور تزکیہ وتربیت کا سامان کیا گیا ہے۔ اس طریقے سے ہر ہفتے اس عمل کو دہرایا جاتا ہے۔ لہٰذا خطبۂ جمعہ خصوصی اہمیت اور توجہ چاہتا ہے۔ اگر ائمہ حضرات گزشتہ نکات کی روشنی میں ترجیحات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، ایمان، اخلاق اور تدریج اور عوام کے مسائل کو موضوع بناتے ہوئے خطبہ دیں تو جہاں یہ فریضہ بہ احسن ادا ہو سکے گا، وہیں عوام کی دلچسپی بھی بڑھے گی اور بہ تدریج مسجد بستی کے مرکز کا مقام حاصل کر لے گی۔

البتہ ایک بات کا خصوصی اہتمام کیا جائے کہ ائمہ جو خطبہ دیں، اس میں صرف وہ باتیں بیان کریں، جو تمام علما کے ہاں مسلمہ ہیں۔ اس سے فکری ہم آہنگی اور ملی یک جہتی پیدا ہوگی اور اختلاف و انتشار کا خاتمہ بھی ہو سکے گا اور مسلمان جسدِ واحد بن کر اُمت کا وہ مطلوبہ کردار بھی ادا کر سکیں گے، جو وقت کا تقاضا اور ضرورت ہے۔

آج امت زوال کا شکار ہے۔ ایمان اور اعمال میں زوال اور کمزوری رونما ہوگئی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ لوگوں کو دین کی صحیح صحیح تعلیم دی جائے۔ اس راہ میں مشکلات لازمی ہیں لیکن آپ کی ذمے داری یہ ہے کہ اپنا کام جاری رکھیں، مشکلات کو خاطر میں نہ لائیں اور اپنے کام میں لگے رہیں۔ عزم، ارادہ اور کوشش اپنے اپنے دائرے میں اخلاص نیت کے ساتھ کام کریں۔ اس کے مفید ثمرات ضرور نکلیں گے۔ اس دور میں رواداری اور وسعت نظر

کی ضرورت ہے۔ اس کا اظہار ائمہ کے رویے اور باتوں سے بھی ہونا چاہیے۔

یقین ہے کہ ان امور کا خیال رکھ کر اگر منصب امامت کی ذمے داری ادا کی گئی اور اس تحریک کو ائمہ مساجد میں عام کیا گیا تو معاشرے پر جلد مثبت اثرات نظر آئیں گے۔

☆○☆